دینی مدارس کے نظام پر اعتراضات کا ایک جائزہ

از جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی

جو لوگ دینی مدارس کے نظام سے براہ راست وابستہ نہیں ہیں اور جن کو اس نظام تعلیم کا کوئی عملی تجربہ حاصل نہیں ہے۔ ان کی طرف سے بسا اوقات اس قسم کی تجویزیں سامنے آتی رہتی ہیں کہ ان مدارس کے نصاب میں سائنس، ریاضی اور انجینئرنگ وغیرہ کی معیاری تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے، تاکہ جو علماء ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں، وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ ان تجربی علوم میں بھی کما حقہ، درک اور بصیرت رکھتے ہوں۔

یہ تجویز خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیش کی جاتی ہو، لیکن نہایت سطحی تجویز ہے جو درحقیقت دینی مدارس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد ایسے صاحب استعداد علماء پیدا کرنا ہے جو قرآن و سنت اور ان کے متعلقہ علوم میں ماہرانہ بصیرت کے حامل ہوں اور یہ مقصد جس ذہنی یکسوئی اور ہمہ تن توجہ کا متقاضی ہے، اس کی موجودگی میں یہ بات قریب قریب ناممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت اونچی استعداد کا حامل عالم دین بھی ہو اور ساتھ ساتھ ماہر ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں یا ماہر معاشیات بھی ہو۔

یہ بات یوں تو ہر دور میں سچ تھی، لیکن آج کا زمانہ جسے ہر علم و فن میں اختصاص کا دور کہا جاتا ہے، اس تو روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے۔ آج اگر کوئی شخص علم طب کر اپنا خصوصی موضوع بناتا ہے، اور میڈیکل سائنس میں مہارت حاصل کرتا ہے تو کوئی بھی صاحب عقل اس پر یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ وہ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ انجینئر کیوں نہیں ہے؟ یا اگر کوئی شخص انجینئرنگ کے شعبے میں فارغ التحصیل ہوتا ہے تو اس پر کوئی ہوش مند یہ اعتراض نہیں کرتا کہ اس نے میڈیکل سائنس کیوں نہیں پڑھی؟

اسی طرح اگر کسی سائنس تعلیم کے ادارے میں تمام تر توجہ سائنس کی تعلیم پر دی جاتی ہے تو کوئی شخص وہاں یہ اعتراض پیش نہیں کرتا کہ اس ادارے میں ادب، شاعری، یا کامرس کی تعلیم کیوں نہیں ہوتی؟ کسی کامرس کالج پر یہ اعتراض کبھی نہیں کیا جاتا کہ یہاں سے انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ کسی لاء کالج کے بارے میں کبھی یہ تجویز نہیں سنی گئی کہ اس میں فلکیات کی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔

سوال یہ ہے کہ اگر دینی مدارس کی تمام تر توجہ اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنے پر مرکوز ہے اور وہاں سے کوئی ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں یا ماہر معاشیات پیدا نہیں ہوتا تو اس بات پر

اس قدر تشویش اور واویلا کیوں ہے؟ کیا تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور ان کے متعلقات ایسے علوم نہیں ہیں کہ ان کے درس و تدریس کے لیے کچھ ادارے مخصوص ہوں، جو ہمہ تن انہی علوم پر محنت کر کے انہی کی خدمت انجام دیں، اور انہی علوم کے متخصص علماء پیدا کریں؟ اگر کوئی شخص واقعتاً ایسا سمجھتا ہے تو اس کی ناواقفیت پر اظہار افسوس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم کی اہمیت اور عظمت کا کسی بھی درجے میں احساس رکھتا ہے تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ علماء دین سے انجنیئر اور سائنس داں بننے کا مطالبہ کس قدر سطحی، غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل عمل ہے۔

بعض حضرات مدارس کی خیر خواہی اور ہمدردی میں یہ تجویز بھی پیش فرماتے رہے ہیں کہ ان درسگاہوں میں دستکاری کے ہنر سکھانے اور دوسری تکنیکی تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہیے، تاکہ جو علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہوں، وہ معاشی اعتبار سے معاشرے پر بوجھ بننے اور دوسروں کے دست نگر ہونے کے بجائے اپنے معاش کا انتظام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کر سکیں اور دین کی خدمت کسی معاوضے کے بغیر انجام دیں۔

یہ تجویز بھی، خواہ کتنی نیک نیتی سے پیش کی گئی ہو اور بظاہر کتنی خوشنما معلوم ہوتی ہو، حقیقت پسندی سے بہت دور اور ناقابل عمل ہے۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ اگر ان دینی مدارس کا مقصد قرآن و سنت کے علوم میں بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرنا ہے تو یہ علوم اپنی تحصیل اور اپنی خدمت کے لیے پورا وقت چاہتے ہیں اور آج کی زندگی جس قدر پیچیدہ ہوگئی ہے اس میں تجربہ یہی ہے کہ تکنیکی کاموں میں لگ جانے کے بعد ان علوم کی خدمت محض ایک آرزو ہو کر رہ جاتی ہے جو ساری عمر پوری نہیں ہوتی۔ بعض طلباء نے علم دین کے ساتھ ساتھ یہ تکنیکی ہنر سیکھے، لیکن اس عملی تجربے میں شاید کوئی استثناء نہ ہو کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر طالب علم دینی علوم کی خدمت میں لگا تو اپنے ہنر کی طرف توجہ نہ دے سکا اور اس ہنر کے ذریعے کسب معاش میں مصروف ہوا تو علوم دین سے تعلق باقی نہ رکھ سکا۔ لہٰذا جو مدارس اعلیٰ قابلیت کے علماء تیار کرنے کے لیے قائم ہوئے ہیں ان کے لیے یہ نہ ممکن ہے اور نامناسب کہ وہ اپنے طلباء کو علوم دین کے ساتھ تکنیکی تربیت دینے کا بھی انتظام کریں۔

دوسرے یہ عجیب تصور ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے کی دینی ضروریات پوری کر کے کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کر رہا ہے تو وہ "معاشرے پر بوجھ" یا "دوسروں کا دست نگر" بن گیا ہے۔ علم و فن کے ہر شعبے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص جس علم و فن میں مہارت حاصل کر کے

اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دیتا ہے' اس کا معاش بھی اسی شعبے سے وابستہ ہوتا ہے اور اگر وہ اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دینے کی بناء پر کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کرتا ہے تو اس میں معاشرے پر بوجھ بننے یا کسی کا دست نگر ہونے کا کوئی سوال نہیں بلکہ یہ اس معاشرتی نظام کا ایک لازمی حصہ ہے جس پر پوری انسانیت کی بنیاد قائم ہے' اگر کوئی طبیب' انجنیئر' ماہر معاشیات' یا سائنسدان اپنے شعبے میں معاشرے کی خدمت کرتا ہے اور اس کے صلے میں معاشرہ اسے معاشی فوائد بہم پہنچاتا ہے تو نہ یہ اس پر کسی کا احسان ہے اور نہ اس کی بناء پر یہ سمجھنا درست ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ بن رہا ہے یا دوسروں کا دست نگر ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا علوم دین کی خدمت معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا ایک مسلمان معاشرے کو ایسے اہل علم کی حاجت نہیں جو ان کی دینی ضروریات پوری کر سکیں؟ ان کو نت نئے مسائل میں دین کی رہنمائی فراہم کر سکیں؟ ان کے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں؟ ان کے دینی مستقبل کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں؟ دین پر حملہ آور فتنوں کا موثر تعاقب کر سکیں؟ اور دین سے متعلق وہ تمام امور انجام دے سکیں جو دوسرے کاموں میں مشغول افراد انجام نہیں دے سکتے۔

اگر یہ ایک مسلمان معاشرے کی اولین ضرورت ہے اور کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کر سکے؟ تو اگر معاشرہ ان خدمات کے صلے میں ایسے اہل علم کو اپنے معاش سے بے فکر کرنے کے لیے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے تو یہ کونسا احسان ہے جو ان اہل علم پر کیا جارہا ہے؟ اور اس کی بنا پر یہ خیال آخر کیوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کے دست نگر ہیں' اس لیے انہیں اپنی معاشی کفالت کے لیے کوئی اور ہنر سیکھنا چاہیے؟

بعض حضرات دینی مدارس کے نصاب و نظام میں ترمیم کے اس بناء پر خواہش مند رہتے ہیں کہ ان مدارس کی سند دنیا کی یونیورسٹیوں میں تسلیم کرلی جائے' اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان یونیورسٹیوں میں داخلہ مل سکے یا ان سندوں کے حامل طلبہ کو سرکاری اداروں وغیرہ میں ملازمتیں مل سکیں اور چونکہ دوسری یونیورسٹیوں کے ساتھ معادلہ ان مدارس کے نصاب و نظام میں تبدیلی کئے بغیر ممکن نہیں نظر آتا' اس لئے وہ اس نظام میں ترمیم کی خواہش رکھتے ہیں۔

ہماری نظر میں یہ طرز فکر بھی درست نہیں' ہمارے نزدیک دینی مدارس کے نصاب و نظام پر خالصتاً" اس نقطہ نظر سے غور ہونا چاہیے کہ ایک با استعداد اور صاحب بصیرت عالم دین

کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح پوری ہو سکتی ہیں اس نقطۂ نظر سے نصاب و نظام میں جن ترمیمات کی ضرورت ہو' ان کو بیشک اختیار کیا جائے' لیکن محض اس بناء پر ان مدارس کے مزاج و مذاق سے ہٹ کر کوئی تبدیلی کرنا کہ ان کی سند دوسری یونیورسٹیوں یا سرکاری اداروں میں مقبول ہو جائے' ان دینی درسگاہوں کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

دینی مدارس کی بنیاد جس اخلاص' للہیت' ایثار اور جذبہ خدمت دین پر رکھی گئی تھی اس میں اس بات سے کبھی کوئی بحث نہیں کی گئی کہ ان کی سندیں بازار میں کیا قیمت رکھیں گی؟ اکابر علمائے دیوبند میں سے کتنے حضرات تھے جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کبھی سند لی ہی نہیں' اس کے بجائے اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء میں دینی علوم کی اعلیٰ مہارت' اتباع سنت کا جذبہ خشیت و تقویٰ' انابت الی اللہ اور جذبہ خدمت دین کس طرح پیدا ہو؟

اور واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس اگر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق کام کریں اور ان سے اسی صلاحیت کے اہل علم پیدا ہوں جس صلاحیت کے علماء کی ضرورت ہے اور جس کی آبیاری ان مدارس کا بنیادی مقصود ہے تو اس بات کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ دوسری یونیورسٹیوں میں "اعلیٰ تعلیم" حاصل کرنے کے محتاج ہوں' یا سرکاری اداروں میں اپنی اسناد منظور کرانے کی درخواستیں لیے پھریں۔ اس کے بجائے ان مدارس کو خود اپنا تعلیمی اور تربیتی معیار بلند کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور یقین ہے کہ اگر یہ مطلوبہ معیار حاصل ہوگیا تو تمام دوسرے ادارے چار و ناچاران کی سند کو تسلیم کرنے پر ازخود مجبور ہوں گے۔

ہمارے دینی مدارس جس علم کے امین اور جس مزاج و مذاق کے وارث ہیں' اس میں یہ بات ان کے لئے عار ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی علمی استعداد کی شہادت حاصل کرنے کے لیے درخواستیں' اپیلیں یا مطالبے کرتے پھریں۔ اس علم کا مزاج تو یہ ہے کہ اپنے حصے کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے بعد انسان اپنی دھن میں لگ جائے' کسی کو ہزار مرتبہ ضرورت پڑے تو وہ اپنی غرض اور اپنی ضرورت سے اس کی طرف رجوع کرے' ورنہ اس کو اپنی علمیت منوانے کی چنداں حاجت نہیں اور ماضی کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جن حضرات نے ان مدارس میں رہ کر علمی اور عملی کمال حاصل کر لیا' ان کو کبھی کہیں اپنی سند دکھانے کی ضرورت نہیں پڑی اور ان کی خدمات کے طلب گار صرف دینی مدارس ہی میں نہیں' بلکہ اعلیٰ یونیورسٹیوں سے لے کر سرکاری اداروں تک اتنے رہے ہیں کہ ان کو کبھی ناقدری کا شکوہ نہیں ہوا۔

لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہوا جب انہوں نے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ زیور علم سے آراستہ کیا اور صرف نام کے فارغ التحصیل ہونے کے بجائے واقعتاً" علوم دین کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔ انہوں نے دنیا طلبی کے لیے علم حاصل نہیں کیا بلکہ خدمت دین کو اپنا مشن بنایا' لیکن عملاً ہوا یہ کہ دنیا بھی ان کے قدموں میں ذلیل و خوار ہو کر پہنچی اور معاشی اعتبار سے وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

لہٰذا محض اپنی سند کو تسلیم کرانے کی خاطر دینی مدارس کے نصاب و نظام میں کوئی ایسی تبدیلی کرنا جو ان کے مزاج و مذاق سے ہٹی ہوئی ہو' ان مدارس کی روح کے یکسر منافی ہے۔

ان گزارشات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم دینی مدارس کے موجودہ نصاب و نظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے' بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس نصاب و نظام میں ترمیم و اضافہ پر غور کرنے سے پہلے ہمیں وہ مقصد متعین کرنا چاہیے جس کے تحت ہم ترمیم و اضافہ چاہتے ہیں۔ اگر مقصد ان تین باتوں میں سے کوئی ایک ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا تو ہم اس مقصد کے تحت کسی ترمیم کی نہ صرف یہ کہ ضروت نہیں سمجھتے بلکہ اس کے شدت کے ساتھ مخالف ہیں۔

ہاں اگر نصاب و نظام پر نظر ثانی کا مقصد یہ ہے کہ ان مدارس سے فارغ ہونے والے حضرت ایک عالم دین کی حیثیت میں زیادہ ٹھوس اور مستحکم استعداد کے حامل ہوں اور زیادہ موثر اور زیادہ وسیع دینی خدمات انجام دے سکیں تو ایسی نظر ثانی ہماری نظر میں نہ صرف قابل خیر مقدم' بلکہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے لیکن اس کے لیے ذہن کو مذکورہ تین مقاصد کے تحفظات سے خالی کر کے خالصتاً اس نقطۂ نظر سے غور کرنا ہوگا کہ ایک عالم دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں ؟ وہ موجودہ نصاب و نظام سے پوری ہیں یا نہیں؟اگر وہ پوری نہیں ہو رہیں تو اس کے کیا اسباب ہیں ؟ اور ان اسباب کو دور کر کے کس طرح مطلوبہ معیار حاصل کیا جاسکتا ہے؟

اس ناقابل انکار حقیقت پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ دینی مدارس کا علمی اور عملی معیار مسلسل انحطاط کا شکار ہے اور ان کی پیداوار اپنی صفات اور کیفیت کے لحاظ سے روز بروز روبہ زوال ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد وہ فرائض خاطر خواہ طور پر انجام دینے سے قاصر رہتی ہے جو بحیثیت عالم دین اس پر عائد ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جس رفتار سے پوری دنیا میں اچھی استعداد اور اعلیٰ کردار

کے حامل علماء کرام کی ضرورت بڑھ رہی ہے اتنا ہی ہمارے دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کا دائرہ اثر و نفوذ روز بروز سمٹ رہا ہے' اس بات کا اعتراف نہ کرنا حقیقت ناشناسی کے مترادف ہوگا کہ پہلے ایک عالم دین کی بات معاشرے میں جس وزن اور جس تاثیر کی حامل ہوتی تھی اور اس کو جس قدر وسیع قبولیت عامہ حاصل ہوتی تھی اب اس صورت حال میں بڑی تیزی کے ساتھ فرق آرہا ہے۔ اس کا ایک سبب بلاشبہ یہ بھی ہے کہ ذہنوں پر مادیت کا غلبہ پہلے سے زیادہ ہوگیا ہے اور بحیثیت مجموعی لوگوں کے افکار و اعمال پر دین کی گرفت ہی ڈھیلی پڑ گئی ہے' لیکن اس کا ایک بہت بڑا سبب خود ہمارے اپنے نقائص بھی ہیں' اور جب تک ان نقائص کا کھلے دل اور وسیع حوصلے کے ساتھ جائزہ لیکر ان کے ازالے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس سنگین اور تشویشناک صورت حال میں تبدیلی لانا بہت مشکل ہے۔